# حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ

# اور

# ان کا عہد

تحریر: پیر محمد کرم شاہ

صحیح روایات کے مطابق قدوۃ العاشقین حضرت قبلہ شمس الحق والدین سیالوی قدس سرہٗ العزیز کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ میں ہوئی اور ۸۶ سال کی عمر میں ۱۳۰۰ھ میں وصال فرمایا۔ عیسوی سن کے مطابق یہ انیسویں صدی کا دور بنتا ہے۔ جو لوگ تاریخ ہندوستان سے واقف ہیں۔ ان پر مخفی نہیں کہ یہ دور امت مسلمہ کے لیے کتنا جانکاہ اور صبر آزما تھا۔ وہ قوم جس نے تعداد کی قلت کے باوجود اپنی جرأت، سیاسی بصیرت، عملی برتری، اخلاقی بلندی اور قوتِ ایمانی کے باعث ہندوستان پر آٹھ سو سال تک حکومت کی تھی۔ آج وہ حوادثات دہر سے خوف زدہ اور ہراساں تھی۔ محمود و شہاب الدین، التمش، بابر، اورنگ زیب علیہم الرحمۃ کے وارث اپنے عظیم اسلاف کی صفات سے یکسر محروم ہو چکے تھے۔ عیش کوشی، سہل انگاری، جاہ طلبی اور سیم و زر کی محبت نے انہیں ناکارہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صدی میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ ہندوستان کی وسیع و عریض اسلامی مملکت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر رہ گئی تھی۔ فرنگی استعمار اسلام کے ان قلعوں کو یکے بعد دیگرے بڑی آسانی سے مسمار کرتا ہوا فخر البلاد دہلی کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔

پنجاب کی حالت سب سے زیادہ خستہ تھی۔ مرکز سے کٹ جانے کے بعد اس کی حیثیت بے جان لاش کی سی تھی جسے چیلیں، گدھ اور کتے آپس میں بانٹ رہے ہوں۔ ہر علاقہ میں ایک خود مختار حکومت قائم تھی۔ ہر قابل ذکر شہر کسی نہ کسی طالع آزما رئیس کی راجدھانی بن چکا تھا۔ ان کے درمیان رقابتوں کی آگ ہر وقت بھڑکتی رہتی تھی۔ ایک دوسرے سے برافروختگی اور برہمی کا یہ عالم تھا کہ وہ مشترکہ خطرہ کے مقابلہ میں بھی متحد ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان حالات میں سکھوں نے اپنی قلیل تعداد کو منظم کر کے ان کمزور اور باہم برسرِ پیکار رئیسوں کو لتاڑنا شروع کر دیا اور ایک ایک کر کے ان کے علاقوں پر قبضہ کرتے چلے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی سکھ ریاستیں رونما ہو گئیں۔ ان خود غرض اور عاقبت نااندیش نوابوں اور رئیسوں کی سزا مسلم رعایا

سکھوں کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ سارا ملک لاقانونیت کی زد میں آگیا۔ تمام مظالم کا تختہ مشق مسلمان تھے۔ انہی کے گھر لٹے جاتے انہی کی بستیاں تاراج کی جاتیں۔ انہی کے گھر جلائے جاتے۔ انہی کی مساجد اور عبادت گاہوں کو اصطبلوں میں تبدیل کر دیا جاتا۔ کو بل رہی تھی۔ مسلمانوں کے دل آزاری اور ان کی تذلیل

افغانستان اپنی داخلی خانہ جنگی میں اسقدر مصروف تھا کہ اس کے حکمران نہ دہلی کے مغل بادشاہ کی کوئی امداد کر سکے اور نہ ہی پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کی فریاد سن کر ان کی مدد کو پہنچ سکے بعض حکمرانوں نے برصغیر کے حالات کو درست کرنے کے لیے اقدامات کیے وہ ادھورے اور ناکافی تھے۔ ادھر وہ پنجاب میں سکھوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے کابل سے روانہ ہوئے۔ پیچھے سے ان کے دشمن بغاوت کا پرچم لہرا دیتے چارو ناچار اس حاکم کو پھر واپس لوٹنا پڑتا۔ سارا ہندوستان طوائف الملوکی کا شکار تھا۔

تاریخ کی بوالعجبیاں پر جب نظر پڑتی ہے تو انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ ۱۷۹۹ء ہی وہ سال ہے جس میں دنیائے اسلام کے بطل جلیل سلطان ٹیپو اس ملک کو انگریزوں کے ناپاک تسلط سے بچانے کی مجاہدانہ کوششوں میں جام شہادت نوش کرتا ہے۔ ۱۷۹۹ء ہی میں رنجیت سنگھ لاہور پر قبضہ کرتا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیے یہ لمحے ملت مسلمہ کے لیے کتنے کربناک اور مایوس کن ہوں گے۔ لیکن رحمت الٰہی نے مایوسیوں کے گھپ اندھیروں میں امید کا چراغ روشن کرنے کے لیے اسی سال ۱۷۹۹ء میں سیال کی ایک چھوٹی سی بستی میں حضرت شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا۔

حضرت کے آباؤاجداد پشتہا پشت سے دنیاوی وجاہت اور علم دونوں میں بڑے ممتاز تھے۔ حضرت کے جد اعلیٰ حضرت شیر کرم علی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے ایک شہباز لامکانی حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے پشاور میں ایک فاضل روزگار سے علم کی تکمیل کی۔ وہاں سے اپنے استاد کی معیت میں حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے پھر محبوب رب العالمین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ بارہ سال تک نعمت حضوری اور شرف عتبہ بوسی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ بارگاہ نبوی سے بغداد جانے کا حکم ملا۔ کچھ عرصہ حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے در کرم پر مجاہدہ و ریاضت رہے۔ حضرت غوث اعظمؓ نے عالم خواب میں آپ کا ہاتھ حضرت موسیٰ پاک شہید کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہاں سے ملتان پہنچے مرشد کامل پہلے ہی شدت سے انتظار فرما رہے تھے۔ فوراً سینہ سے لگا لیا۔ شرف بیعت بخشا خرقۂ خلافت مرحمت فرمایا۔ عرصہ تک مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے اسوقت آپ کی عمر مبارک نوے ۹۰ سال تھی۔ پیر کامل نے وطن واپس جانے اور شادی کرنے کا حکم دیا۔ ایک عظیم المرتبت فرزند کی بشارت دی۔ آپ اپنے آبائی وطن قصبہ دھول پہنچے وہاں آپ کا کوئی پہچاننے والا موجود نہ تھا۔ عزیز و اقارب فوت ہو چکے تھے۔ نئی نسل کو آپ کے متعلق خبر تک نہ تھی۔ چنانچہ وہاں سے رخصت ہو کر ایک جنگل میں قیام فرمایا اور وہاں سیال نامی بستی آباد کی۔ جس کے مقدر میں اس علاقہ کی تاریخ کو نیا عنوان

بخار قم تھا۔

چنانچہ اس فرخندہ روزگار کی نسل پاک سے اقلیم معرفت کا تاجدار میدانِ جود و عطا کا شہسوار کاروانِ عشق و مستی کا قافلہ سالار مطلع ہدایت کا نیّر تاباں خضر گم کردہ راہاں، مسیحا نفس تاج الاولیاء فخر الاتقیاء خواجہ خواجگان محمد شمس الدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہ، عمت فیوضہ کا تولد ہوا۔ حضرت کے والد بزرگوار کا اسم گرامی میاں محمد یار ابن میاں محمد شریف ابن میاں برخوردار بن میاں تاج محمود بن میاں شیر کرم علی علیہم الرحمۃ والغفران ہے۔ حضرت والا گہر کا سلسلہ نسب پچاس واسطوں سے حضرت عباس علمدار شہید کربلا رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت جنت بی بی تھا رحمۃ اللہ علیہا۔ آپ پوہلہ گاؤں کی تھیں جو سیال شریف سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ قرآن کریم کی حافظہ تھیں عبادت و ریاضت میں شب و روز معروف رہتیں۔ آپ نے ایک درس قرآن جاری کر رکھا تھا جس میں بچیاں قرآن کریم یاد کرتی تھیں۔ آپ خود تدریس کے فرائض انجام دیا کرتیں۔ آج بھی موضع پوہلہ میں عورتیں بکثرت حافظہ قرآن ہیں۔ یہ آپ کا ہی فیضان ہے جب اس نیر ولایت کی امانت آپ کے بطن مبارک میں منتقل ہوئی تو ذکر و عبادت کے معمولات میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ شب و روز بکثرت درود شریف زبان پر جاری رہتا۔ سونے سے پہلے ہر شب اکتالیس بار سورۃ یٰسین تلاوت فرماتیں۔ تین ہمشیرگان کے بعد حضرت میاں محمد یار رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ آفتاب طلوع ہوا۔ جس نے ان گنت تیرہ بختوں کو بلند اقبال کیا۔ جس نے بے شمار غافل دلوں کو ذکر الٰہی کی لذت سے بہرہ ور کیا جس کے یمن و برکت سے ہزاروں سالکان راہ محبت کو منزل وصل تک رسائی نصیب ہوئی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نور باطن سے نوازا تھا جب وہ اس خورد سال نونہال کو دیکھتے تو دست بستہ سراپا ادب بن کر کھڑے ہو جاتے۔

آپ کے چچا حضرت میاں احمد یار صاحب کی شادی لالی قوم کی ایک خاتون سے ہوئی تھی۔ اُن محترمہ کے والد روشن ضمیر درویش تھے ان کا اسم گرامی میاں نور نبی تھا۔ ایک دفعہ وہ اپنی بچی سے ملنے کے لیے سیال شریف آئے اس وقت حضرت کم سن تھے مگر آنگن میں گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ آپ کی جبین سعادت پر جونہی نگاہ پڑی از راہ ادب کھڑے ہو گئے۔ کسی نے پوچھا اس طفل صغیر کے سامنے ایسی تعظیم بجا لانے کا کیا مطلب؟

اس درویش نے کہا کہ تم اس بچے کی شان کو پہچانتے نہیں اس کی پیشانی پر اسم اعظم لکھا ہے۔ جب یہ اپنے مرتبۂ کمال پر فائز ہوگا تو اپنے روحانی فیوض و کمال سے ایک عالم کو سیراب کر دے گا اور اس کے دروازے پر صدہا باکمال دست بستہ کھڑا ہونا باعث سعادت سمجھیں گے۔

میاں نور نبی صاحب نے اپنی بیٹی کو کہا میں نے دعا مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بچی عطا فرمائے۔ تم اپنی بچی کا رشتہ اس کو دینا۔ تاکہ قیامت کے روز میں بھی اس مرد کامل کے رشتہ داروں میں اٹھایا جاؤں

میاں محمد اکرم صاحب لغاری جو موضع دین پور کے بزرگ تھے ان کا واقعہ آپ ابھی پڑھیں گے۔

آج دوسرے رسائل فلمی ایکٹر ایکٹریسوں کے ہیجان خیز تصاویر سے اپنے صفحات مزین کرتے ہیں۔ ضیائے حرم عاشقانِ حسنِ لم یزلی کے ذکرِ جمیل سے اپنے صفحات کو منور کرنا وقت کی اہم ضرورت سمجھتا ہے۔ لوگ سیاسی لیڈروں، سرمایہ دار صنعت کاروں کے گن گاتے ہیں۔ ضیائے حرم اربابِ وفا کے تذکروں سے قلب کی پاکیزگی نفس کی طہارت اور سیرت میں پختگی پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ آج ان مردانِ پاک باز کی للہیت و اخلاص راہِ حق پر استقامت و ثبات کی یادوں کو تازہ کرنا ازبس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس اہم ترین کام کی توفیق دے۔ آمین۔

حضرت میاں محمد یار علیہ الرحمۃ کا یہ اکلوتا فرزند ارجمند جمالِ ظاہری میں بھی فریدِ روزگار تھا۔ چمکتا ہوا چہرہ، نرگسیں آنکھیں، خمدار ابرو، خوبصورت ناک۔ کشادہ پیشانی۔ گلاب کی پتیوں کو شرما دینے والے پتلے پتلے ہونٹ اور اس پر جمالِ ربانی کا پرتو دل کو دیکھے بغیر قرار نہ تھا اور آنکھ کو بارائے دیدار نہ تھا۔ جب آپ کی عمرِ مبارک ساڑھے چار سال ہوئی تو تعلیم قرآن کریم کے لیے مکتب میں بٹھائے گئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد مزید علم حاصل کرنے کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کیا۔ علاقہ تلہ گنگ کھیپ کے ایک گاؤں ٹمکی ڈھوک میں ایک مدرسہ تھا۔ اپنے ماموں میاں احمد دین صاحب کی معیت میں چلے وہاں گئے۔ فارسی کی ابتدائی کتب وہاں پڑھیں۔ لیکن استاد صاحب کی زندگی نے وفا نہ کی ان کے انتقال کے بعد گھوٹہ شریف پہنچے۔ اس وقت وہاں حضرت مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ نے علم کی شمع روشن کر رکھی تھی اور طالبانِ علم جوق در جوق اس چشمہ فیض سے سیراب ہو رہے تھے۔ آپ نے تیرہ سال تک اپنے استاذ گرامی کی خدمت میں رہ کر کسبِ فیض کیا۔ اس عرصہ میں گھوٹہ کے ایک تاجر میاں محمد امین جو مولانا موصوف کے بڑے عقیدت مند تھے۔ انہوں نے تجارتی مقاصد کے لیے کابل کے سفر کا قصد کیا۔ ان کی درخواست پر مولانا نے اپنے اس تلمیذِ ارشد کو ان کی معیت میں کابل روانہ کیا۔ تاجر موصوف کو اپنے کاروباری مشاغل کی وجہ سے وہاں کافی عرصہ رکنا پڑا۔ حضرت نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کابل کے مایۂ ناز اور متبحر عالم حضرت مولانا حافظ دراز صاحب کے درس سے استفادہ شروع کیا۔ ہدایہ شریف وہاں پڑھی اور حدیث شریف کی سند بھی آپ سے حاصل کی۔ کابل کے قیام کے دوران میں جو بروایت حضرت ثالث غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ فخر الدین سیالوی مدظلہ نے یوں بیان فرمائی۔

آپ حافظ دراز صاحب کے درس میں اکتساب علم فرما رہے تھے۔ طلبہ کے لیے رہائش کا خاطر خواہ بندوبست نہ تھا۔ ایک روز افغانستان کے حکمران امیر شیر علی کی سواری شاہی تزک و احتشام کے ساتھ گزر رہی تھی۔ آپ نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور پُرجلال لہجے میں فرمایا۔

برلبِ اقامت ما جا دہی یا نہ دہی

یعنی ہمارے رہنے کے لیے کوئی جگہ دو گے یا نہیں۔ امیر ایک درویش کی جرأت اور بے ساختہ پن سے بڑا متاثر ہوا اور اپنے کابلی لہجے میں کہا۔

چرا نہ دہم بر سر و چشم مے دہم

کیوں نہیں دوں گا سر آنکھوں پر دوں گا۔ حضرت کے استاد صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک صاحبزادی تھی اس نوجوان شاگرد میں صوری اور معنوی خوبیوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد دل میں طے کر لیا تھا کہ انہیں دامادی کا شرف بھی بخشیں گے اور اپنی مسندِ ارشاد و تدریس کا وارث بھی بنائیں گے۔ اپنے اس عزم کا اظہار آپ سے بھی کر دیا۔ ہونہار شاگرد وہ ادب سے برملا انکار نہ کر سکا لیکن آپ نے میاں محمد امین صاحب جن کے ہمراہ آپ کابل آئے ہوئے تھے یہ ماجرا بیان کر دیا اور اپنی پریشانی کا اظہار بھی کیا۔ میاں محمد امین نے تسلی دی۔ چنانچہ کابل سے روانہ ہونے سے پہلے میاں صاحب استاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مؤثر انداز میں حالات بیان کیے کہ انہوں نے بخوشی حضرت کو واپسی کی اجازت دے دی۔

جب میاں محمد امین اپنے مشاغل سے فارغ ہوئے تو حضرت ان کی معیت میں پھر اپنے شفیق استاد کی خدمت میں پہنچ کر تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد علی اگرچہ علم و فضل میں بے نظیر اور زہد و ورع میں منفرد اور مرجع خلائق تھے لیکن دل ابھی کسی ایسے صاحب کمال کے لیے تڑپ رہا تھا۔ جو ایک نگاہ میں گھائل کر دے اور اپنی توجہ باطنی سے حریم ذات کے دروازے کھول دے۔ کئی بزرگوں کی شہرت سنی، گئے، دیکھا اور لوٹ آئے۔ دل کی تسکین کا سامان کہیں نظر نہ آیا۔ ایک روز کسی راہ نورد نے حضرت پیر پٹھان قبلہ عالمیان شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہٗ کا تذکرہ اس انداز سے کیا کہ سنتے ہی دل بے چین ہو گیا اور تونسہ مقدسہ کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر ہمایوں اثر میں اپنے اسی تلمیذ ارشد کو اپنے ہمراہ لیا۔ جب کشتی دائرہ دین پناہ کے مقامات میں پہنچی آپ اترے اور ملاحوں کو رخصت عطا فرمائی۔ وہاں ایک گدھا کرایہ پر لیا اور قبلہ عالمیان شہنشاہ اقلیم ولایت حضرت شاہ محمد سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کے در اقدس پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ عرض کی لکھاڑ سے۔ مزید استفسار فرمایا۔ مولوی صاحب بخیریت تھے۔ عرض کی وہ خاکسار میں ہی ہوں۔ حضور نے اٹھ کر گلے سے لگا لیا۔ اور بڑی عزت و تکریم کی رہائش کے لیے انہیں ایک الگ حجرہ مرحمت فرمایا۔ مولانا تو اپنی اقامت گاہ پہ فروکش ہو گئے لیکن شمس معرفت حضرت پیر پٹھان کو دیکھتے ہی ہزار جان اور ہزار دل سے فریفتہ ہو گئے اور اتنا یارائے صبر بھی نہ رہا کہ اپنے استاد محترم کا انتظار کریں۔ موقع ملتے ہی بارگاہ ناز میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لیے گزارش کی۔ مرشد کامل نے از راہ غایت بندہ نوازی شرف بیعت سے سرفراز فرمایا اور نماز مغرب کے بعد نفل اوابین اور حفظ الایمان اور ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا سر دست تمہارے لیے اتنا وظیفہ کافی ہے۔ جب

تحصیل علم سے فراغت پاکر آؤ گے۔ اس وقت مزید کرم فرمایا جائے گا۔ اس سعادت ازلی سے بہرہ اندوز ہوکر اپنے استاد محترم کے پاس حاضر ہوئے اور آرام فرمایا۔

مولانا نے چند روز توقف کے بعد بیعت کے لیے عرض کی حضور نے فرمایا۔ آپ بہروجہ افضل و اکمل ہیں۔ آپ کا علم و فضل مشہور عالم ہے۔ آپ کو اس فقیر سے بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت مولانا نے بصد ادب و نیاز عرض کی۔ قبلہ میں نے علم اس لیے تو نہیں پڑھا تھا کہ یہ میری محرومی کا باعث ہو اور میں اس نعمت سرمدی سے بے بہرہ رہوں۔ میں نے تو علم ہدایت پذیری کے لیے پڑھا ہے۔ اس لیے حضور اس خاکسار پر نظر کرم فرمائیں اور مجھے اپنی غلامی کی عزت سے محروم نہ رکھیں۔ علم و فضل کے باوجود مولانا کی اس ادائے نیاز مندی کو حضور نے بہت پسند فرمایا اور کچھ اوراد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ان وظائف کے پڑھنے سے مولانا کے دل کی پہلی صفائی بھی جاتی رہی۔ ذوق و شوق کی جو چنگاری سلگ رہی تھی وہ بھی سرد ہوگئی۔ آپ اس صورت حال سے بڑے غمزدہ ہوئے اور اپنی کیفیت عرض کی۔ حضرت پیر پٹھان نے اپنی زبان میں فرمایا کہ "بابا ایک لڈے تے بیا آوے" یعنی ایک رخصت ہو تو دوسرا آوے۔ آپ کے پہلے واردات رخصت ہوں گے تب نئی کیفیات کا ورود ہوگا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد مولانا کے دل میں درد و سوز اور ذوق و شوق کی وہ کیفیت پیدا ہوگئی جس کا بیان زبان قلم سے ممکن نہیں۔

مولانا نے چھ ماہ تک شہباز لامکانی کے آستانہ عالیہ پر قیام کیا۔ نعمت دیدار، توجہ باطنی اور کرم ہائے بے پایاں سے محظوظ ہوتے رہے۔ چھ ماہ بعد حضور نے آپ کو طلب فرمایا۔ بیعت بھی کیا اور نعمت باطنی سے مالا مال کرکے خرقہ خلافت بھی مرحمت فرمایا اور واپس کھڈ جانے کی اجازت دی۔ مولانا بہار جی سرو گلبن وحدت مراجعت فرمائے کھڈ تشریف ہوئے۔

حضرت شمس العارفین کو طالب علمی کے زمانہ میں بھی جس صاحب کمال نے دیکھا حیرت زدہ ہوکر رہ گیا۔ کبھی کبھی آپ کھڈ سے اپنے والدین کی ملاقات کے لیے تشریف لایا کرتے تو دین پور کے قصبے سے گزر ہوتا۔ وہاں ایک باکمال بزرگ میاں محمد اکرم صاحب رہا کرتے تھے۔ جب اس خجستہ خصال نوجوان کو دیکھتے تو "تعظیماً" کھڑے ہوجاتے۔ اور رخصت کرنے کے لیے کافی دور تک دین پور سے باہر آتے آپ کے کسی خادم نے اس تکریم پر حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ شاید آپ اس نوجوان طالب علم کی اس لیے عزت کرتے ہیں کہ یہ میاں شیر کرم علی صاحب کی اولاد میں سے ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ تم دُرج ولایت کے اس گوہر تاباں کی قدر نہیں پہچانتے۔ ایک دن آئے گا جب یہ نوجوان اقلیم فقر کا فرمانروا ہوگا۔ اس کی عظمت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجے گا۔ بڑے بڑے ارباب کمال یہاں حاضر ہوکر اپنی منزل مراد کو پائیں گے۔ میاں کرم علی صاحب جیسے بزرگ اور میرے جیسے لقمہ خوار ہزار دل ہزار اس کے آستان پر دربان ہوں گے۔

استاد محترم نے نجابت و شرافت اور سعادت ازلی کے آثار اپنے اس فرشتہ سیرت شاگرد میں ملاحظہ فرمائے

تھے ان کی کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی انہوں نے خیال فرمایا کہ اپنے شاگرد رشید کو اپنا جانشین بنائیں گے تاکہ ان کی وفات کے بعد اس کے دم قدم کی برکت سے یہ سلسلہ فیض جاری و ساری رہے۔ اس چیز کا علم جب آپ کے والدین کو ہوا تو وہ ہجر و فراق کا تصور کر کے تڑپ اٹھے۔ تونسہ شریف حاضر ہو کر حضرت سلیمان قدس سرہٗ کی خدمت میں اپنا ماجرا عرض کیا۔ ملجائے بیکساں نے مولانا کو تحریر فرمایا کہ آپ نے اس فقیر کو اسیر کر رکھا ہے اس کو اپنے باپ کے ساتھ روانہ کرد۔ لوگوں کے فرزندوں کو قید نہیں کر لیا کرتے۔ نیز شمس العارفین کو حکم نامہ تحریر فرمایا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ جائیں اور سنت نکاح ادا کریں۔

حسب فرمانِ مرشد اپنے گھر واپس تشریف لائے اور حسب ہدایت اوراد و اذکار پوری پابندی سے انجام دیتے رہے۔ فرصت کے وقت تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ سال میں کئی کئی بار پا پیادہ منزل جاناں کی زیارت کرنے کے لیے آتے اور کم سے کم چالیس روز قیام فرماتے۔ جب بتقاضائے عمر ظاہری قوتوں میں اضمحلال آشکارا ہوا تو پھر بامرِ مجبوری سوار ہو کر تونسہ شریف حاضر ہوتے۔

اپنے مرشد کی خدمت اور غلامی کو سرچشمۂ سعادات و برکات یقین کرتے۔ چودہ مرتبہ حضرت پیر پٹھان کی معیت میں تونسہ مقدسہ سے مہار شریف کا سفر کیا اس شان سے کہ حضور ایک تیز گھوڑی پر سوار ہوتے۔ یہ پیکر درد و وفا اپنے مرشد کا قرآن کریم مع رحل اور دیگر وظائف سر پر رکھے۔ پانی کا بھرا ہوا کوزہ دائیں ہاتھ میں حضور کا عصا اور مصلیٰ بغل میں لیے بادۂ محبت سے سرشار ہو کر حضرت کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے۔ لوگ اس حسین و رعنا جوان کے جسم نازک اور اس پر یہ مشقت و جفاکشی، پھر شوق و مستی کا عالم اور ہمت کی بلندی کا مشاہدہ کر کے دنگ رہ جاتے۔ دیکھنے والا ایک نظر سے پہچان جاتا کہ یہ کس منزل کا مسافر ہے اور اس کی متورم آنکھیں کس کے دردِ محبت کی غمازی کرتی ہیں۔

تونسہ شریف سے مہار شریف ایک سو کوس یعنی ایک سو پچاس میل کی مسافت ہے اس زمانہ میں تقریباً سارا علاقہ جنگل بیابان یا چٹیل ریگستان تھا۔ پانی نایاب۔ آبادیاں خال خال۔ سڑکیں اور شاہراہیں مفقود۔ ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان قدس سرہٗ دیارِ محبوب کی طرف روانہ ہوئے گرمی کا موسم تھا۔ نوجوان سیال بڑے ذوق و شوق سے وجد کناں اپنے مرشد کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے جا رہے تھے۔ آپ برہنہ پا تھے۔ ریشم سے نرم و نازک پاؤں کے تلووں میں کانٹے چبھتے۔ آبلے بنتے رہے اور دھوپ قیامت ڈھا رہی تھی۔ زمین تپ رہی تھی۔ اس کے باوجود اس بلند اقبال اور اولو العزم نوجوان کے ذوق و شوق میں ذرا فرق نہیں آ رہا تھا۔ اچانک مرشد کامل نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ اپنی پاپوش مبارک اتار کر آپ کو دی کہ اسے پہن لو تاکہ گرم ریت راہ میں بکھرے ہوئے کانٹے اور سنگریزے نہ چبھیں۔ آپ نے اس تحفہ کو انتہائی شکریہ قبول کیا اور چوم لیا لیکن پاؤں میں پہننے کی بجائے اپنے سر کا تاج بنا لیا۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد پھر حضرت پیر پٹھان نے آپ کو حسب سابق ننگے پاؤں دیکھا اور پوچھا جوتے کہاں ہیں۔ عرض کیا جوان کا صحیح

مقام تھا میں نے انہیں یہاں سجا لیا ہے۔ حضرت اس جذبۂ نیازمندی پر از حد مسرور ہوئے۔ اپنی گھوڑی سے نیچے اترے اور اپنے جواں بخت مرید کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسرار معارف کے کئی خزینے بخش دیئے۔

حضرت پیر سیال فرمایا کرتے کہ میں نے اپنے مرشد کی خدمت میں چودہ سال کا طویل عرصہ اس انتظار میں گذارا کہ کوئی رحمت کی گھڑی آئے اور لطف خسروانہ ابر کرم بن کر برسے۔ اتنے عرصہ میں مجھے دو بار یہ خصوصی لمحے نصیب ہوئے اس وقت آپ ایک اسی واقعہ کا ذکر کرتے اور دوسرا زیارت خضر کا واقعہ جس کا بیان ابھی آ رہا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جب تک اپنے مرشد کے ساتھ اتنی والہانہ عقیدت نہ ہو۔ افادہ اور استفادہ کا دروازہ نہیں کھلتا۔ طالب کو گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ اپنے شیخ سے کامل درجہ کی محبت نے باطن کو تو ہمرنگ کر ہی دیا تھا۔ ظاہری شکل و صورت میں بھی ایسی مماثلت پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت کو دیکھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ اس نے حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کی زیارت کی ہے۔ آپ اپنی زندگی کے آخری حصّہ میں جب تونسہ شریف حاضر ہوئے تو آستانہ عالیہ کے تالاب پر تشریف فرما تھے۔ جس نے دیکھا یہی سمجھا کہ خود حضرت پیر پٹھان تشریف فرما ہیں۔ کسی خادم نے دوڑ کر حضرت خواجہ کریم تونسوی کی خدمت میں گذارش کی کہ قبلہ۔ ابھی اپنی آنکھوں سے حضرت پیر پٹھان کو تالاب پر بیٹھے دیکھ کر آیا ہوں۔ حضرت خواجہ کریم نے سن کر فرمایا۔ پتہ چلتا ہے کہ مولوی صاحب سیالاں والے آ گئے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان کے پوتے حضرت خواجہ خیر محمد صاحب سیال شریف تشریف لائے اور حضرت باوجود ضعف پیری اور نقاہت کے اپنے شیخ کے پوتے کی خدمت میں دن میں کئی بار حاضر ہوتے اور کافی دیر زانو شکستہ دست بستہ بیٹھے رہتے۔ اس اثناء میں حضرت صاحبزادہ خیر محمد صاحب آپ کے چہرہ انور کو بڑے غور سے دیکھتے رہتے۔ ایک دن صاحبزادہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب سے ہمارے جد امجد خواجہ محمد سلیمان صاحب کا انتقال ہوا ہے تب سے حضرت خواجہ سیالوی کی زیارت سے ہمارے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے جد امجد اور خواجہ سیالوی کی صورت اور سیرت میں ایک بال کا فرق نہیں۔

بعض حضار مجلس نے یہ کلمات طیبات اعلیٰ حضرت سیالوی کی خدمت میں عرض کیے لیکن حضرت نے از راہ کسر نفسی فرمایا مور چہ (چیونٹی) کو سلیمان کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

؎ خاک در ہیز سلیمان پہ یہ پیشانی ہے

چشم اس مور کی بر لطف سلیمانی ہے

میاں حفیظ ماہی صاحب ساکن سودکی شریف، حضرت مولانا سلطان محمود صاحب ساکن ناڑہ۔ دونوں حضرت پیر پٹھان کے جانثار مرید تھے۔ حضرت پیر پٹھان کے انتقال کے بعد ان کی دنیا تاریک ہو گئی۔

نہ رات کو آرام۔ نہ دن کو قرار۔ ہجر محبوب میں ہمہ وقت رویا کرتے۔ ایک رات حضرت پیر پٹھان نے میاں حفیظ ماہی صاحب کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ تم روتے کیوں ہو۔ میں تو اب تمہارے نزدیک سیالاں میں رہتا ہوں۔ آپ بیدار ہوئے۔ اسی وقت بستر باندھا سر پہ رکھا اور سیال شریف کی طرف چل پڑے راستہ میں ہی اپنے پیر بھائی مولانا سلطان محمود صاحب کے پاس سے گذرے دیکھا وہ بھی بستر باندھے بیٹھے ہیں اور آمادہ سفر ہیں آپ نے پوچھا حضرت کہاں کی تیاری ہے۔ فرمایا رات کو میرا دل ازحد سوگوار تھا۔ روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ حضرت پیر پٹھان نے شرفِ زیارت بخشا اور فرمایا مولوی صاحب آپ اتنا کیوں روتے ہیں۔ میں تو اب تمہارے بالکل قریب سیالاں میں آگیا ہوں۔ بعینہٖ یہی خواب حفیظ ماہی صاحب دیکھ کر روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا۔ بخدا مجھے بھی آج رات یہی حکم ملا ہے۔ چنانچہ دونوں حضرت پیر سیال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے روئے تاباں کی زیارت سے ان کے غمزدہ دلوں کو قرار آگیا اور پھر ساری عمر حضرت پیر سیال کی محبت کا دم بھرتے رہے۔ حضرت نے ان کو خلافت عطا فرمائی۔

جب حضرت پیر سیال کی عمر مبارک چھتیس [۳۶] برس ہو گئی زہد وریاضت سے سینہ گنجینہ نور بن گیا تو شاہ شاہان خواجہ محمد سلیمان قدس سرہٗ نے خرقہ خلافت ارزانی فرمایا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ میں تجھے گم کردہ راہوں کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے آوارگان دشت محبت کو منزلِ محبوب تک پہنچانے کے لیے بیعت اور خلافت کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ نے بصد نیاز عرض کی کہ مخدوما میں اس بارِ گراں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس سے معذور سمجھا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ "تو کہاں ہے جب تو میں ہو گیا تو پھر تو کہاں رہا۔ تیرے ہر کام کا میں ذمہ دار ہوں۔ اپنے آپ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجھے اس کا مجاز کرتا ہوں۔ چنانچہ ظاہری وباطنی انعامات سے سرفراز فرما کر پھر رخصت کیا اور روانگی کے وقت سخت تاکید کی کہ جس فیض کا تمہیں امین اور جس خزینہ سعادت کا تجھے قاسم مقرر کیا گیا ہے۔ اس سے کوئی محروم واپس نہ جائے۔ جو بیعت کا خواہش مند ہو کر آئے اس کی دستگیری ضرور کی جائے۔

جب دوبارہ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کیا کسی کو بیعت کیا ہے۔ عرض کی صرف میرے والدین نے میری بیعت کی ہے اس کے علاوہ اور کوئی بیعت نہیں ہوا۔ حضرت پیر پٹھان نے جلال میں آکر فرمایا کہ میں نے تو تجھے شاہباز بنایا ہے۔ سارا عالم تیرا صید زبوں ہے۔ اپنی ہمت خداداد کو مخلوق خدا کی رشد وہدایت میں صرف کر۔ ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان تشریف فرما تھے۔ مشتاقان دید کا ہجوم تھا۔ اسی اثنا میں ایک نورانی پیکر بزرگ حاضر ہوئے اور کچھ دیر محو گفتگو ہو کر رخصت ہو گئے۔ جب وہ تھوڑا سا دور گئے تو حضرت نے حاضرین مجلس کو کہا کہ جس شخص کے دل میں خضر کی زیارت کا شوق ہو وہ جائے اور زیارت کرے یہی خضر تھے جو یہاں سے ابھی اٹھ کر گئے ہیں۔ لوگ دیوانہ وار خضر کی زیارت کرنے کے لیے دوڑ پڑے لیکن حضرت پیر سیال وہیں بیٹھے رہے۔ حضور نے فرمایا مولوی صاحب کیا تمہیں خضر کی زیارت کرنے

کا اشتیاق نہیں عرض کی میں تو اس کی زیارت کروں گا جس کی زیارت کے لیے خضر آتا ہے ۔ حضرت پیر پٹھان حضور کی اس سعادت مندی اور خلوص پر بڑے خوش ہوئے اور دعا فرمائی ۔ "اللہ سائیں میرے سیال نوں رنگ لائیں" ۔ اے اللہ تعالیٰ میرے اس مرید باصفا کو ابدی عزت و سعادت سے سرفراز فرما ۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ شرق و غرب سے لوگ کسب فیض کے لیے پروانہ وار سیال شریف آنے لگے ۔ آپ کو اپنے شیخ کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ تونسہ شریف کی حدود میں قضاء حاجت نہیں کی تین میل دور تشریف لے جاتے ۔

ایک دفعہ آپ سیال شریف سے تونسۂ مقدسہ زیارت شیخ کے لیے جا رہے تھے ۔ راستہ میں ایک جنگل سے گذر ہوا وہاں ایک نورانی شکل بزرگ سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ درود کبریت احمر پڑھا کرو ۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے لیے میرے پیر کا فرمان کافی ہے ۔ تونسہ شریف حاضر ہوئے تو مرشد کریم نے فرمایا کہ راستہ میں تمہیں ایک آدمی ملا تھا اس نے جو وظیفہ بتایا ہے وہ پڑھا کرو وہ حضرت پیران پیر غوث الاعظم تھے ۔ یہ درود پاک (کبریت احمر) اس سے پہلے طریقہ چشتیہ کے اوراد میں شامل نہ تھا ۔ حضرت پیر سیال کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ چشتیہ سلسلہ کو نصیب ہوئی ۔

اعلیٰحضرت سیالوی پھر اس کی تلاوت پر مداومت فرمایا کرتے آں والا مرتبت نے معہودہ طریقہ کے مطابق اس کی زکوٰۃ بھی دی اس کے اختتام پر بارگاہِ رسالت سے آپ پر جو خصوصی کرم ہوا اس کے ذکر سے قارئین ضیائے حرم کو محروم رکھنا بہت بڑی زیادتی ہے ۔

میری خصوصی درخواست پر شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سجادہ نشین سیال شریف نے یہ واقعہ اپنی زبان مبارک سے یوں بیان کیا ۔

مجھے مولانا محمد امین صاحب ٹکوچی نے بتایا کہ حضرت مولانا معظم الدین صاحب مرولوی کبریت احمر کی زکوٰۃ کے ایام میں خدمت عالی میں حاضر رہا کرتے اور ہر طرح کی خدمات بجا لاتے ۔ انہوں نے اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کیا کہ اعلیٰ حضرت نے سیال شریف سے باہر مغرب کی طرف ایک جگہ کو کبریت احمر شریف کی زکوٰۃ کے لیے مقرر فرمایا ۔ میری ڈیوٹی یہ تھی کہ میں کسی کو اس خلوت میں مخل نہ ہونے دوں چنانچہ جس روز زکوٰۃ کا اختتام تھا ۔ چاشت کا وقت تھا آپ تلاوت میں مصروف تھے ۔ میں کافی پیچھے ہٹ کر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک اندھیرا سا ہوا جیسے صبح صادق کا وقت ہو اسی اثناء میں چند گھوڑ سوار آسمان کی طرف سے اترے حضرت نے آگے بڑھ کر ایک شاہسوار کی قدمبوسی کی یہ حضور پُرنور مجسم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تھی ۔ حضور کے دست مبارک میں ایک دستار تھی جو آپ کے سر پر باندھی گئی ۔ اس عزت سے مشرف کرنے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روپوش ہو گئے ۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر اس عزت افزائی پر مبارکباد عرض کی ۔ اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا کہ آپ نے بھی زیارت کی ہے ۔ میں نے عرض کیا آپ کے صدقے مجھے بھی یہ عزت نصیب ہوئی ہے ۔ حضرت نے مجھے تاکید کی کہ میں اس واقعہ کا کسی کے سامنے ذکر

ذکر دوں ۔

جب تک حضرت پیر سیال اس جہان فانی میں جلوہ افروز رہے مرید صادق نے اس راز کو فاش نہیں کیا۔ لیکن آنجناب کے وصال کے بعد آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنے مرشد کے اس کمال کو مخفی رکھیں اس لیے آپ نے احباب سے اس کا تذکرہ فرمایا ۔

حضرت کا انداز تبلیغ وارشاد بالکل نرالا تھا ۔ اسوۂ نبوت کا کامل نمونہ مناظرہ مجادلہ بحث و تکرار کا تو وہاں گذر ہی نہ تھا جو بات فرماتے محبت و پیار کے رنگ میں رنگی ہوتی اور بڑے سے بڑا جھگڑالو مد مقابل بھی خلوص کی مہک سے از خود رفتہ ہو کر سر نیاز قدموں میں رکھ دیتا ۔ بڑے بڑے علماء و فضلا مناظرہ کرنے کے لیے حاضر ہوئے لیکن ناوک نگاہ کی تاب نہ لا کر ہمیشہ کے لیے غلام بے دام بن کر رہ گئے ۔ بے شمار ایمان افروز واقعات سے ایک دو روح پرور باتیں آپ بھی سن لیجئے ۔ تحصیل خوشاب میں انگہ ایک مشہور قصبہ ہے ۔ قاضی سلطان محمود صاحب کا زمانہ تھا آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دراز علاقوں میں پہنچ چکی تھی آپ کے تبحر علمی کے باعث علماء عصر آپ کو استاد کل کہا کرتے تھے ان کے فضل و کمال کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لیے صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ حضرت قبلہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب آپ کے شاگرد تھے حضرت کئی سال تک انگہ میں قیام پذیر رہے اور انکے چشمہ علوم و معارف سے سیراب ہوتے رہے ۔

قاضی صاحب مذکور کو پتہ چلا کہ ان ہی کے ضلع شاہ پور میں سیال کے مقام پر ایک فقیر ظاہر ہوا ہے ، جو سماع سنتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید بنتے جا رہے ہیں ۔ قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق سماع شریعت میں ناجائز تھا ۔ ان کی ایمانی غیرت یہ گوارہ نہ کر سکی کہ ان کے علاقہ میں خلاف شریعت فعل کو اتنا فروغ نصیب ہو ، چنانچہ ایک گدھے پر اپنی کتابوں کے انبار لاد دے اور مناظرہ کرنے کے ارادہ سے سیال شریف روانہ ہوئے وہاں اپنے معتقدین اور ساز و سامان کے ساتھ ایسے وقت پہنچے جب حضرت شمس العارفین اپنی مجلس آراستہ کئے ہوئے معرفت کے موتی لٹا رہے تھے قاضی صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آداب مجلس کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں ۔ حضرت نے قاضی صاحب کی بات سن کر بڑے تحمل سے فرمایا ، قاضی صاحب میری گردن بلکہ میری سات پشتوں کی گردن شریعت کے سامنے جھکی ہوئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ مجھے خلاف شریعت کام کرنے سے بچائے یہ جواب سننے کے بعد قاضی صاحب تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے ۔ پھر وضو کرنے کے لیے شرقی کنواں پر تشریف لے گئے ۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے قوالوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے پنجابی کے ان بولوں سے محفل سماع کا آغاز کیا ۔

جھنگ کنوں دل تنگ ہیوے پچھاں ہزارے دیاں واٹاں
میرے ماہی دیاں مٹھیاں باتاں ہبوں کھنڈ شکر نباتاں ،

قاضی صاحب سماع کی آواز سن کر غصے سے دوڑتے ہوئے آئے۔ بار بار کہہ رہے تھے۔ پھر بھی آپ باز نہ آئے۔ پھر بھی آپ باز نہ آئے۔

جب قاضی صاحب قریب پہنچے تو حضرت نے ایک بار نگاہ بھر کر دیکھا ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور غش کھا کر گرے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور قوال برابر ان بولوں کو دہرا دہرا کر قاضی صاحب کی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑی دستار باندھا کرتے تھے جو ان کے علم و فضل کی گواہی دیتی تھی۔ اس مستی و شوق میں اپنی دستار سر سے اتاری اور قوالوں کو جا کر نذر کر دی۔ اس محفل پر کیف و مستی کا جو رنگ چڑھا ہوگا اس کی ماہیت کیونکہ بیان کی جا سکتی ہے۔ قوال جب اس بول کا تکرار کرتے تو آپ تڑپتے اور یہ نعرہ لگاتے۔

حق او یار و حق! حق او یار و حق

حضرت ثانی غریب نواز اس محفل پاک میں حاضر تھے جب قاضی صاحب نے اپنی دستار قوالوں کو نذر کی تو آپ چپکے سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ گھر میں سونے چاندی کے جتنے زیورات تھے سب اٹھا کر لائے اور قوالوں کو پیش کر کے ان کے عوض قاضی صاحب کی دستار ان سے لے لی اور فرمایا یہ عالم کی دستار ہے اور اسی کے سر پر زیب دیتی ہے۔ پھر قاضی صاحب کے سر پر وہ دستار باندھ دی۔ اعلیٰ حضرت غریب نواز اپنے فرزند دلبند کی اس ادا شناسی پر بڑے مسرور ہوئے اور آپ کو دعاؤں سے نوازا۔

مردان خدا مناظرہ کے اکھاڑوں کو یوں اپنی چشم کرم سے عشق و محبت کے خیابان میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات شاذ و نادر ہی نہیں بلکہ ہر روز کا معمول تھا۔ خدنگ ناز کی زد میں جو آیا جانے نہیں پایا۔

حضرت کی خدمت اقدس میں ہر قسم کے لوگ آیا کرتے تھے۔ فقیر بھی امیر بھی گدا بھی، نواب بھی۔ سالک بھی قلندر بھی، عالم بھی اور ان پڑھ بھی اور اس کریم کے دروازے سے ہر شخص اپنی استعداد اور اپنے ظرف کے مطابق بہرہ ور ہوا کرتا ہر شخص کی اصلاح اور تربیت کے لیے ایسا انداز اختیار فرماتے جو اس کی نفسیات کے عین مطابق ہوتا۔

ضلع جھنگ میں شاہ جیونہ ایک مشہور قصبہ ہے جہاں حضرت محبوب عالم جو شاہ جیونہ کے نام سے مشہور ہیں کا مزار شریف ہے۔ آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بزرگ تھے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک مشہور ہستی سید محمد غوث شاہ صاحب گزرے ہیں۔ آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ آپ علاقہ کے رئیس اعظم تھے۔ سات سو مربع زمین کے مالک تھے۔ پیرانہ سالی کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت پیر سیال غریب نواز کی شہرت سن کر آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے اور اپنی داستان غم مرد خدا کی خدمت میں بصد ادب و نیاز پیش کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا شاہ جی غم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو بچے دے گا۔ ایک کا نام صالح شاہ اور دوسرے کا نام راجہ شاہ رکھنا۔ اس

مژدہ جانفزا کو سن کر شاہ صاحب نے حضرت کے دست اقدس پر بیعت کی اللہ تعالیٰ نے مرد کامل کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو پورا فرمایا اور پیرانہ سالی میں دو لڑکے عطا فرمائے ۔ جن کو صالح شاہ اور راجہ شاہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ۔ دوسرے سادات کو جب پتہ چلا کہ سید محمد غوث شاہ صاحب نے ایک جٹ کی بیعت کی ہے تو ملامت کرنے لگے کہ تم اتنے رئیس اعظم اور ایک ولی کی اولاد اور پھر سید نہیں اگر کسی کو مرشد بنانا تھا ۔ تو کسی سید کو بنایا ہوتا ۔ ایک جٹ کا مرید بننا قطعاً آپ کے شایانِ شان نہیں ۔ سید محمد غوث شاہ صاحب نے ان ملامت کرنے والوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ میں نے جٹ کے کھیت کو سرسبز دیکھا ہے تب ہی اس کا فیصلہ کیا ہے ۔

ضلع جھنگ کے ایک دوسرے سید صاحب جو ٹھٹھہ محمد شاہ کے واحد مالک تھے انہوں نے جب سنا کہ شاہ جیونہ صاحب کے سجادہ نشین نے سیال شریف بیعت کی ہے تو ان کے دل میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق پیدا ہوا اور دل میں یہ طے کیا کہ اگر میری یہ تین شرطیں پوری ہوئیں تو بیعت کر لوں گا ورنہ واپس چلا آؤں گا ۔ ایک شرط یہ تھی کہ میری جب آپ سے ملاقات ہو تو مغرب کی طرف سے آ رہے ہوں ۔ دوسری شرط یہ تھی کہ بتائے بغیر آپ مجھے پہچان لیں اور تیسری شرط یہ تھی آپ مجھے گلاب کا پھول عطا کریں ۔ دل میں یہ طے کرنے کے بعد سیال شریف پہنچے ۔ حضرت کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ حضرت قبرستان تشریف لے گئے ہیں یہ قبرستان سیال شریف سے مغرب کی سمت میں واقع ہے ۔ میں ادھر ہی چل پڑا راستہ میں دیکھا کہ اعلیٰ حضرت قبرستان سے شہر کی طرف آ رہے ہیں ۔ میں نے دل میں کہا کہ میری ایک شرط تو پوری ہو گئی لیکن دیکھتا ہوں کہ دوسری دو شرطیں کیسے پوری ہوتی ہیں ۔ میں ادھر سے جا رہا تھا ۔ حضرت قبرستان کے مغربی سمت سے شہر کی طرف آ رہے تھے ۔ راستہ میں ساہیوال کا ایک خادم حاضر ہوا اور ایک پھولوں سے بھرا ہوا لوٹا حضرت کی خدمت میں پیش کیا ۔ اتنے میں میں بھی قریب پہنچ گیا ۔ حضرت نے پھولوں میں سے ایک پھول اٹھایا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا لو شاہ صاحب یہ پھول لے لو ۔ میں اپنی تین شرطوں کو اس حیرت انگیز طریقہ پر پورا ہوتے دیکھ کر اس مردِ خدا کی عظمت کا قائل ہو گیا اور عرض کی کہ حضرت مجھے ابھی بیعت فرمائیے ۔ چنانچہ حضرت نے وہیں راستہ میں مجھے شرف بیعت سے سرفراز فرمایا ۔

ملک شیر خان مرحوم ، بندیال کے رئیس اعظم تھے اور حضرت کے نیاز مند بھی دوسرے سادات کی طرح یہ بھی کتوں کے بہت شوقین تھے ۔ اعلیٰ نسل کے کتے پال رکھے تھے اور سفر میں بھی انہیں اپنے ساتھ رکھا کرتے ایک دفعہ اپنے مرشد کی زیارت کرنے سیال شریف حاضر ہوئے ۔ کتوں کو حویلی میں باندھ دیا ۔ شام کی اذان ہو گئی تھی اس لیے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلے آئے ۔ ایک لپتہ کتا ۔ چپکے چپکے پیچھے آ گیا انہیں اس کی خبر نہ ہوئی ۔ کتا جوتوں کی جگہ بیٹھ گیا ۔ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرض باجماعت ادا کر کے مسجد سے اپنی عبادت گاہ کی طرف جانے لگے ایک خادم همراه تھا جب باہر نکلے اور لپتہ کتا بیٹھے ہوئے دیکھا ۔

حضرت نے اپنے خادم کو حکم دیا۔ ملک شیر خان آیا ہے یہ کتا اسی کا معلوم ہوتا ہے۔ تم یہاں ٹھہرو۔ اس کی حفاظت کرو۔ بابا عبداللہ سبز پوش اسے مارے ملک کو اپنے کتے بڑے پیارے ہیں (عبداللہ ایک درویش تھا جو آستانہ عالیہ پر کسی کتے کو آنے نہیں دیتا تھا جو کتا اس کے ہتھے چڑھ جاتا تو اس کی خوب پٹائی کرتا)۔

ملک شیر خان کہتا ہے کہ میں نے حضرت کا یہ ارشاد سُنا تو مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔ دوڑ کر آیا اور اس درویش سے کہا کہ تم حضرت کے ساتھ جاؤ۔ میں اب اس کی رکھوالی کر لوں گا۔ ملک صاحب لوگوں کو اپنے مرشد کا یہ واقعہ سناتے اور آب دیدہ ہو جاتے۔ حضرت نے مجھے ڈانٹا نہیں نہ ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ میرے پاس خاطر کے لیے اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔ وہ کہا کرتے اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو آپ کو ضرور ملتی۔ اس کے بعد انہیں کتوں سے اسقدر نفرت ہو گئی کہ انہیں رکھنا ہی چھوڑ دیا۔

آپ کا وجود مسعود سراپا کرامت تھا۔ آپ کی نشست و برخاست، گفتار و کردار میں دلوں کو لوٹ لینے والا بانکپن تھا۔ اس کے باوجود آپ انتہائی ضبط سے کام لیتے تھے اور کرامات کے اظہار کو پسند نہیں فرمایا کرتے اور اگر کسی درویش سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا تو اسے سخت سرزنش فرماتے۔ اس ضمن میں سید عباس علی شاہ کا واقعہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ حضرت خواجہ غلام فخرالدین سیالوی مدظلہ، کی روایت سے ہدیہ ناظرین ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ لاہور گیا مجھے کسی نے بتایا کہ بلال گنج میں ایک درویش حافظ شفیق احمد قادری رہتے ہیں۔ ان کی زیارت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس ساتھی کو لے کر میں حافظ صاحب کے مکان پر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلا۔ ایک درویش نے بڑے تپاک سے ہمیں خوش آمدید کہا اور پہلے سے ایک آراستہ مسند پر مجھے بٹھایا۔ یہی حافظ شفیق احمد قادری تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرے مرشد نے مجھے بتایا کہ آج تیرے پاس ایک مہمان آنے والا ہے۔ میں صبح سے آپ کے لیے چشم براہ ہوں اور یہ مسند میں نے اسی ہدایت کے مطابق بچھا رکھی ہے۔ ابتدائی رسمی گفتگو کے بعد انہوں نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔ بتایا کہ میں موسیٰ زئی شریف میں بیعت تھا۔ میرے مرشد کا انتقال ہو گیا۔ میں ایک مراقبہ میں سرگرداں تھا وہ حل نہیں ہو رہا تھا۔ دن بدن میری پریشانی میں اضافہ ہونے لگا۔ میں روزانہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیا کرتا۔ کافی عرصہ کے بعد مجھے حضرت داتا صاحب نے خواب میں فرمایا کہ جہول میں سید عباس علی شاہ کے پاس جاؤ وہ تمہاری یہ مشکل حل کرے گا۔ میں گوہر مراد کی تلاش میں جہول پہنچا۔ تلاش بسیار کے بعد میں نے سید عباس علی شاہ کو پا لیا لیکن ان کی ہیئت کذائی دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی۔ میں نے سوچا کہ جس کے لیل و نہار ایک برہمن کی نوکری میں گزرتے ہیں۔ وہ ایسی میری مشکل کیا خاک حل کرے گا۔ چنانچہ اظہار کئے بغیر میں واپس آگیا۔ ایک بار پھر داتا صاحب نے خواب میں شرف دیدار بخشا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اسی جہول والے درویش کے ہاتھ میں دے دیا اور ان کے پاس جانے

کی تاکید فرمائی۔ میں پھر جہلم پہنچا۔ جب گاڑی پلیٹ فارم پر رکی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی درویش پلیٹ فارم پر ٹہل رہا ہے مجھے دیکھا اور جلدی سے آکر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجذوبانہ انداز میں کہا کہ اب داتا صاحب نے بھی لوگوں کی چغلی کھانی شروع کر دی ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اس برہمن کے مکان پر لے گئے جس کی گائیں چرایا کرتے۔ کافی دن انہوں نے مجھے اپنے پاس رکھا پھر ایک روز مجھے اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے اور خلوت میں ایسی توجہ فرمائی کہ میرا عقدہ حل ہو گیا چشم زدن میں وہ مرحلہ طے ہو گیا جس میں میں عرصہ سے سرگرداں تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے اپنے بارے میں بتایا کہ میں سید ہوں اور پنڈی گھیپ کے ایک نواحی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ حضرت خواجہ شمس العارفین کا مرید ہوں۔ آپ کی خدمت میں ہی رہا کرتا تھا مجھ سے کرامات کا بکثرت ظہور ہونے لگا تو حضرت نے بطور سزا تین۳ سال کے لیے مجھے یہاں گائیں چرانے بھیج دیا۔ اب میری سزا ختم ہونے والی ہے میں عنقریب گھر چلا جاؤں گا۔ تم فلاں ماہ کی فلاں تاریخ میرے گاؤں میں آنا جب تم وہاں پہنچو گے تو مسجد میں چند آدمی قل کے لیے بیٹھے ہوں گے وہ تمہیں بتائیں گے کہ ایک شاہ صاحب جن کا نام عباس علی شاہ تھا ساری عمر باہر رہے چند روز ہوئے واپس آئے وہ انتقال کر گئے ہیں۔ آج تیسرا دن ہے شاہ صاحب نے مجھے کچھ روپے دیئے کہ وہاں جا کر کھانا پکا کر میری فاتحہ پڑھ کر تقسیم کر دینا۔

میں واپس آ گیا جب وہ مقررہ تاریخ آئی تو وصیت کے مطابق میں ان کے گاؤں پہنچا جس طرح انہوں نے بتایا تھا لوگ مسجد میں جمع تھے میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بعینہٖ وہی بات بتائی جو شاہ صاحب نے بتائی تھی۔ میں نے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکایا اور تقسیم کیا۔ ان کی قبر پر حاضری دی۔ سلام عرض کیا اور واپس چلا آیا۔

اعلیٰ حضرت کی کرامات جو سورج کی کرنوں کی طرح از خود صادر ہوا کرتی تھیں بے حد و بے حساب ان کے احاطہ کے لیے تو دفاتر بھی ناکافی ہیں۔ یہاں صرف دو واقعات عرض کرتا ہوں۔ جن میں اپنے مریدین کی جان و مال کی حفاظت کے لیے آپ کے روحانی تصرفات کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ یہ دو واقعات اتنے سچے اور متقی لوگوں سے مروی ہیں جن کے بارے میں غلط بیانی اور مبالغہ آرائی کا گمان تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

پہلے واقعہ کے راوی حضرت مولانا معظم الدین صاحب مرولوی قدس سرہٗ ہیں۔ جن کو بارگاہ عالی میں طویل حاضری کا امتیازی شرف حاصل ہے۔ یہاں یہ واقعہ حضرت شیخ الاسلام سجادہ نشین سیال شریف کی زبان مبارک سے سن کر لکھ رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک روز اعلیٰ حضرت سیالوی قدس سرہٗ ظہر کی نماز کے لیے وضو فرما رہے تھے اور خادم نیاز وضو کرا رہا تھا۔ اچانک حضرت نے اس کے ہاتھ سے کوزہ جھپٹ کر کسی غیر مرئی چیز پہ دے مارا۔ خادم پریشان ہو گیا کہ مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے چنانچہ وہ افسردہ خاطر ہو کر مولانا مرولوی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قریب ہی ایک حجرہ میں مقیم تھے اور یہ ماجرا بیان کیا۔ مولانا نے اسے تسلی دی کہ گھبرانے کی

کوئی بات نہیں۔ فقیر کا کوئی مقام حکمت کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ تم اس کوزہ کی ٹھیکریاں سنبھال کر رکھ لو واپس آیا تو ٹھیکریاں بھی موجود نہ تھیں۔ صرف چند ٹکڑے پڑے ہوئے ملے جو اس نے سنبھال کر رکھ دیئے چند ماہ بعد ایک بخارا کے علاقہ کا آدمی وہاں پہنچا جو فارسی زبان بولتا تھا۔ جب سیال شریف پہنچا اور حضرت کی زیارت کی تو زور سے کہنے لگا "ہمیں بود ہمیں بود" یعنی یہی وہ شخص ہے۔ یہی وہ شخص ہے۔ ہم نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں بارگاہِ الٰہی میں دعا مانگا کرتا تھا کہ الٰہ العالمین مجھے غوث زمان کی زیارت کی سعادت نصیب فرما۔ مجھے حضرت کی زیارت کرائی گئی اور سیالاں کا نام بھی بتایا گیا۔ میں اپنے علاقہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک جنگل سے گذر رہا تھا کہ ایک شیر گرجتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا میں نے پکارا "اے سیالاں کے غوث میری مدد کر" کیا دیکھتا ہوں کہ شیر کے ماتھے پر ایک کوزہ آکر لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس کوزے کی ٹھیکریاں اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیں جب پشاور سے آگے آیا تو سیالاں کے بارے میں دریافت کیا۔ کسی نے مجھے سیالکوٹ کا پتہ دیا۔ میں وہاں پہنچا آپ کی گلی گلی کوچے کوچے تلاش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہاں سے مجھے کسی نے جھنگ سیال کا پتہ بتایا وہاں پہنچا لیکن جس کی تلاش تھی وہ نہ ملا میں حیران و پریشان تھا کہ اس شہر کا سراغ کیسے لگے۔ کسی نے مجھے ساہیوال جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس طرح میں پوچھتا پوچھتا سیال حاضر ہوا۔ جب اس نے وہ ٹھیکریاں پیش کیں اور ہم نے ان کو جوڑا تو وہ ہو بہو حضرت کا کوزہ تھا۔ صرف چند جگہ سے کچھ ٹھیکریاں غائب تھیں ہمارے پاس جو تھیں وہ ہم نے وہاں جوڑیں مکمل کوزہ بن گیا۔

یہ واقعہ حضرت کی ظاہری زندگی کا ہے۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے اور حضرات اولیاء کرام کے تصرفات پر برہان قاطع ہے اس کی تفصیل تو آپ اس شمارہ کے کسی دوسرے مقام پر حضرت صاحبزادہ حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم معجز رقم سے مطالعہ کریں گے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں کھیرے میں ایک سادات کا خاندان ہے اس کے ایک بزرگ حضرت سید الٰہ بخش شاہ صاحب بڑے عالم و فاضل تھے اور اعلیٰ حضرت سیالوی کے نیاز مند تھے۔ حضرت بھی ان پر خصوصی لطف و کرم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد سیال شریف میں ان کی حاضری پہلے کم ہوئی بعد ازاں آمد و رفت کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا۔ حضرت قبلہ ثانی صاحب کے عہد میں یہ اطلاعیں آنے لگیں کہ شاہ صاحب نے اپنے گاؤں میں الگ کعبہ بنا لیا ہے۔ اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور اسی کے گرد طواف کرتے ہیں حضرت ثانی صاحب سنتے تو بعد افسوس فرماتے بچارے شاہ کو کوئی مغالطہ لگ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے ان کی یہی حالت رہی حتیٰ کہ حضرت ثانی صاحب نے رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ ضیاء الحق والدین مسند آرائے سیال شریف ہوئے۔

ایک دفعہ حضرت ثانی صاحب کے عرس مبارک پر یہ غل برپا ہوا کہ کعبہ بنانے والے شاہ صاحب آئے ہیں۔ ہم (حضرت صاحبزادہ عبداللہ صاحب) بھی ان کے دیکھنے کے لیے گئے اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں استفسار کیا انہوں نے پہلے تو اظہارِ حال سے معذرت چاہی لیکن پھر ہمارے شدید اصرار پر یوں گویا ہوئے۔

میرے حضرت کے وصال کے بعد کچھ عرصہ تو میں ان وظائف و اوراد کو پابندی سے ادا کرتا رہا جو میرے شیخ نے مجھے بتائے تھے پھر مجھے غیب سے آوازے آنے لگے کہ اے اللہ بخش تو میرا محبوب ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تو خود کعبہ بنا اور سنتِ خلیل کو زندہ کر میں حیران تھا کہ مجھ سے پہلے بھی کئی اولیاء کرام کو خلعت محبوبیت عطا ہوئی لیکن کسی نے نیا کعبہ نہیں بنایا میں یہ جسارت کیسے کر سکتا ہوں۔ ایک سال تو میں اپنے مؤقف پر ڈٹا رہا لیکن اس کے بعد غضب ناک لہجہ میں دھمکیاں ملنے لگیں جن کی میں تاب نہ لا سکا اسطرح میں ایک کوٹھا بنا کر اس کے گرد طواف کرنے لگ گیا۔

کچھ مدت گذری تو غیبی آوازوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا مجھے کہا جاتا کہ سنتِ خلیلی تو تم نے ادا کر دی اب سنتِ اسمٰعیلی ادا کرو اور ذبیح اللہ کے مقام پر فائز ہو جاؤ۔ میں نے سوچا کہ یہ تو خودکشی ہے جو حرام ہے۔ میں اس کا ارتکاب ہرگز نہیں کروں گا۔ کافی عرصہ میں اپنی ضد پر اڑا رہا لیکن پھر تو جھڑکیوں اور سرزنشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ تو کیسا محبوب ہے کہ اپنے مالک حقیقی کے حکم پر جان بھی نہیں دے سکتا۔ تجھ سے تو وہ ہندو زن بہتر ہے جو اپنے خاوند کی ارتھی پر بیٹھ کر خاکستر ہو جاتی ہے اگر تو ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا تو کیا تو ہمیشہ کے لیے زندہ رہے گا۔ روز حشر کیا منہ لے کر ہمارے روبرو حاضر ہو گا نئے روز کی ان جھڑکیوں نے مجھے بے بس کر دیا اور میں اپنا گلہ کاٹنے پر آمادہ ہو گیا۔ ایک روز تیز استرا لے کر اپنی گردن پر چلا دیا۔ فوراً میرے شیخ حضرت خواجہ شمس العارفینؒ بجسم ظاہر تشریف لے آئے۔ میرے ہاتھ سے استرا چھین کر دور پھینک دیا فرمایا۔ خبردار اے اللہ بخش یہ رحمانی آواز نہیں شیطانی ہے۔ پھر آپ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

یوں میں اپنے مرشد کامل کی دستگیری سے دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ گیا۔ شاہ صاحب نے گردن پر استرے کا وہ زخم بھی دکھایا جو ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوا تھا وہ اڑھائی انچ کے برابر تھا۔

بے شک عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے :-

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث طیبہ اس کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل ...... حتی اکون سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہا۔

ایک روز حضور پیر سیال، سیال شریف میں تشریف فرما تھے۔ ہزاروں لوگ جمع تھے۔ صبح کا وقت تھا

حضور اپنے حجرہ میں اپنے اوراد اور وظائف پڑھ رہے تھے اور قوال الگ ایک جگہ درد و سوز سے محبت بھرے اشعار سنا کر لوگوں کے ایمان کو تازہ کر رہے تھے۔ قوالوں کی آواز جب حضور نے سنی تو دل میں ان کے سننے کا شوق پیدا ہوا۔ وظائف سے فراغت پا کر حضور حجرہ سے نکل کر مجلس سماع میں تشریف لے آئے۔ قوال حضرت کے عظمت و جلال کے باعث خاموش ہو گئے حضور نے فرمایا۔

ع چوں دو در خسرو آمد مے در سبو نماند

حضور کے ایک خادم مولانا حفیظ ماہی صاحب نے جب یہ سُنا تو عرض کی کہ عالیجاہ! ابھی حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ چنانچہ قوالوں نے اپنے درد بھرے انداز سے یہ غزل پڑھنی شروع کی۔

شراب عشق کاندر جام کردند
نصیب عاشق بدنام کردند
ثنائے زلف رخسار تو لے ماہ
ملائک ورد صبح و شام کردند

قوال یہ غزل گا رہے تھے۔ اور حضور انور پر وجد و کیف کی ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ ضبط اور وقار کا یہ پہاڑ جو بڑے سے بڑے واردات کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے دلی جذبات کو کبھی ظاہر ہونے کی اجازت نہ دی تھی۔ آج فرط ذوق و شوق سے بے تاب ہو گیا۔ حضور کی چشم پرنم سے ایک رنگین آنسو ٹپکا اور دایاں زانو اٹھا اور دوسرے کو دبا لیا۔ اس وقت ساری فضا میں کیف و مستی کا ایک عجیب سماں تھا۔ ہر شخص گریہ کناں تھا اور محبوب حقیقی کی محبت میں مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ بڑے بڑے خواص اپنے ضبط و ہوش سے محروم ہو چکے تھے۔ معلوم نہیں اس محفل میں محبت و عشق کی دولت کس فیاضی سے تقسیم ہوئی کہ ہر شخص اپنے دامن مراد کو محبت خداوندی اور عشق رسالت پناہی سے مالامال پا رہا تھا۔

اعلیٰ حضرت نقط کشور فقر و درویشی کے تاجدار ہی نہ تھے بلکہ ظاہری علوم و فنون میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ قرآن کریم کی آیات طیبات کی تفسیر نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی تشریح اور اکابر علماء ربانیین کے اقوال کی توضیح جب آپ اپنی زبان فیض ترجمان سے کرتے تو بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے۔ مثنوی مولانا روم کی شرحیں بڑے بڑے علماء نے لکھی ہیں لیکن حضرت کا انداز سب سے نرالا اور سب سے منفرد تھا۔ مثال کے طور پر مثنوی کے پہلے دو شعروں کی جو توضیح حضرت نے اپنی محفل میں ایک روز فرمائی۔ مولٰینا امام دین صاحب مراۃ السالکین کی زبان سے سماعت فرمایئے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

بشنو کا امر حق سبحانہ و تعالیٰ ہے مولوی معنوی کی زبان حق ترجمان پر اور مامور اس کا طالب ذات باری تعالیٰ اور نے سے مراد عموماً انسان کامل اور خصوصاً ذات مقدس مولوی معنوی۔ اور جدائی سے مراد مجبوری اور دوری روح کی مرتبۂ احدیت اور بے رنگی اور لاتعین سے ہے اور شکایت سے مراد روح کا ابتلاء کثرت اور ناسوتی کے رنگ میں یعنی نزول وجود مطلق کا بیچ مراتب تنزلات کے طرف موجودات کا مقید ہے۔ جیسا قولہ تعالیٰ۔ رفیع الدرجات ذی العرش میں تنزلات ششگانہ کی طرف اشارہ ہے اور نائی نے سے مراد عشق کے سالک کامل ہے وہ گویا عین ذات حق تعالیٰ کی ہے۔ جب مفردات کے معنی معلوم ہوئے۔ پس حاصل مطلب یہ ہوا کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ منصب میرا سخن سرائی مثنوی میں نے سے زیادہ نہیں ہے جو کچھ میں کہتا ہوں۔ عشق کے نے کی آواز ہے میری آواز نہیں۔

| | |
|---|---|
| از وجود خود چو نے گشتم تہی۔ | نیست از غیر خدایم آگہی، |
| بالب دمساز خویشم کردجفت | مے بنالم برلب الّا آں چہ گفت |

| | |
|---|---|
| از نیستاں تامرا ببریدہ اند | از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند |

نیستان سے مراد اتحاد ارواح کا ذات متجمع صفات کے ساتھ پردہ غیب میں ہے۔

اس لیے کہ ارواح بلکہ تمام عالم اس مرتبہ میں ذرے میں مندرج تھے۔ کما شجر فی النبات مثل درخت مع شاخ و برگ و گل و ثمر وغیرہ کے جو تخم میں پوشیدہ اور مندرج ہوتا ہے۔ یعنی ذات ابیات کی قابلیت رکھتی تھی کہ جس صورت میں چاہے اپنے آپ کو ظاہر کرے اور نفیر سے مراد جدائی اعتبار کلیہ جو اسماء و صفات کے ظہور میں پیش آئی اور مرد سے مراد اسماء و صفات فاعلی اور زن سے مراد اسماء و صفات انفعالی ہے۔ (ص۔ ۵ - ۱۵۴ مرآۃ السالکین)

ہم دیکھتے ہیں کہ معقول و منقول کے یکتائے روزگار علماء آپ کے نیاز مندوں کی صف میں بصد ادب و احترام سر جھکائے بیٹھے ہیں اور حضرت کے علم و فضل سے اس قدر مرعوب ہیں کہ لب کشائی کی جرأت مفقود ہے۔ اپنے نورانی عہد میں جس کثرت سے علماء ظاہر حضرت کے آستانہ قدسی پر حاضر ہو کر فیضیاب ہوئے۔ اس پلئے کے علماء اتنی بڑی تعداد میں ہمیں اور کہیں نظر نہیں آتے۔ حضرت قبلہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب جو بجا طور پر نابغۂ عصر تھے وہ آپ کے چشمۂ فقر و درویشی سے بھی سیراب ہوتے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دسترخوان علم و فضل سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ ہم جب انہیں بارگاہ شمسی میں دیکھتے ہیں تو وہ بھی حضرت کے علم و فضل کے سامنے دم بخود نظر آتے ہیں۔ اپنے بے نظیر علمی کارناموں کو محض اپنے پیر و مرشد کا فیض اور روحانی تصرف سمجھتے ہیں اور بار بار

اس کا برملا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ یہاں ہم مہر منیر سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"رجب ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں حضرت لاہور میں قادیانی معرکہ سے مظفر و منصور ہو کر واپس آئے تو جناب حضرت ثانی صاحب سیالوی کا مبارک نامہ پہنچا اس کے جواب میں لکھا۔

"کہ یہ مبارکیں عالمگیر خطہ خاک پاک سیال شریف کو شایاں ہیں۔

ع
از رہ گزرے خاک سر کوئے شما بود
ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد

اپنے شیخ کریم حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور فیضان میں بے ساختہ یہ بیس اشعار وحدت وجود کے رنگ میں قلمبند فرمائے ہیں اور انہیں ظاہر کیا ہے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا ہے وہ اسی شمس نورانی کے نور مطلق کی بدولت ہوا ہے۔ جو میرے اندر کار فرما تھا۔ حضرت نے سیف چشتیائی میں بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا میرے شیخ میرے پاس موجود ہیں اور اپنی توجہ سے مدعی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں القا فرما رہے ہیں اس خط کے آخر میں آپ نے اپنے مرشد برحق کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جو مکمل کسی دوسرے مقام پر ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں اس کے چند اشعار ذکر کئے جا رہے ہیں۔

شمس نورانی کہ نور مطلق است — درجہاں آفاق نورش مطبق است
گر نداوے نام پاکت دست را — کس ندیدے درجہاں ایں مست را
ہر دو عالم در ھوائش باختہ — پائے از دیدہ براہش ساختہ
شما آں سرو بستانِ خدا — شاھباز قدس، آں شمس العلیٰ

حضرت کے سوانح نگاروں نے حضرت کے چند اشعار بھی اپنے تذکروں میں نقل کئے ہیں۔ جن سے حضرت کے ذوق رفیع، قادر الکلامی اور جذبہ عشق و محبت کی طغیانیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کے استاد حضرت مولانا محمد علی صاحب نے ایک غزل لکھ کر اپنے مرشد کی خدمت اقدس میں روانہ کی جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا۔

ع شہید تیر آں ترکم کہ از ابرو کماں دارد

مولانا نے اپنے شاگرد رشید کو بھی فرمایا کہ تم بھی اس زمین میں غزل کہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں نے پہلے کبھی شعر نہیں کہا تھا لیکن استاد محترم کے حکم کی تعمیل میں یہ غزل موزوں ہو گئی۔

مقیم کوئے آں شاہم کہ اعلیٰ آستاں دارد
ملوکش جملہ مفتون و ملائک پاسباں دارد
مثال عشق باآں شہ خوبانِ عراقی
چو آں زالے کہ در دست تنیدہ ریسماں دارد

چہ طاقت بندہ عاجز را کہ با مولا سخن راند
دلے از لطف و رحم او نظر بر فیض آں دارد

آپ سے پنجابی کے چند اشعار بھی منقول ہیں جو حضرت نے اپنے مرشد کامل کی وفات کے موقع پر فرماتے تھے۔

ت تانگ تساڈی دی سانگ مینوں میری چانگ اسمانوں تے جا رہی اے
برہوں تیر فراق دا چیر گیا۔ مار و پیر کلیجڑے دی کھا رہی اے
بھکھ، دکھ تساڈے دتے۔ دیکھنے دی خوش چاہیں سو مینوں رجھا رہی اے
شمس روگ لگا تن بھوگ میرے ملاں ہور طبیب سجھا رہی اے

اس مختصر مقالہ میں اتنی وسعت کہاں کہ فیض وعطا کے اس بحر بیکراں کے حالات کا احاطہ کر سکے۔ اس ناچیز کے پاس نہ وہ آنکھ جو جمال شمس الہدیٰ کو دیکھنے کی تاب رکھتی ہے۔ نہ وہ دل جو عالم محبت کی ان لطافتوں اور نزاکتوں کا آشنا ہو۔ نہ اتنا علم کہ اس فیاض جہاں کے کارناموں کو تفصیلاً بیان کر سکے۔ اور نہ ہی وہ قلم جو نوک زبان پر ان اسرار و معارف کو لا سکے۔ دیکھنے والے اور پہچاننے والے حضرت پیر سیال کے فیض یافتگان میں سے کسی کو دیکھ لیں۔ خود ہی استاد کامل کے کمال کا پتہ چل جائے گا۔ انیسویں صدی کے تاریک ماحول میں اس محبوب الٰہی نے جو شمعیں روشن کیں۔ ان ایام میں جب کہ خزاں کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ جس کی مسیحا نفسی نے خزاں زدہ گلشن کو آشنائے بہار کیا۔ اس کی عظمت کا ذکر کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سے فیض یافتگان کا شمار تو کہاں۔ حضرت نے جن طالبان حق کو واصل بحق کر کے خلافت بخشی۔ ان کا شمار بھی ممکن نہیں۔ جلالپور، گولڑہ، خواجہ آباد، مردلہ، بھیرہ، لاہور، ڈیرہ غازی خاں میں چشتی خانوادوں کی جو خانقاہیں دین کی عظیم تر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ یہ سب اسی مرشد کامل کی نگاہ کرم کا فیض ہے جس کے چشمے یہاں بھی اور عرب و عجم میں بہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس شمس الہدیٰ کی تابناک کرنوں سے اپنے تاریک دل منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جس طرح آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ ہجری میں ہوئی۔ چھتیس سال کی عمر میں یعنی ۱۲۵۰ھ میں آپ کو اپنے شیخ طریقت نے خلافت عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ نصف صدی تک مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز رہے۔ اپنی صوری اور معنوی رعنائیوں سے دلوں کو فریفتہ کرتے رہے۔ اپنے روحانی تصرفات اور باطنی توجہات سے بندگان خدا کا ٹوٹا ہوا تعلق اپنے رب سے جوڑتے رہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے باکمال خلفاء ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے اور بڑے سوز و گداز سے دعوت حق میں مشغول ہو گئے۔ افسردگی، غفلت نے جہاں ڈیرے

جما رکھے تھے وہاں ذکر و فکر کی محفلیں ذہنوں کو جلا اور دلوں کو ضیا بخشنے لگیں۔ ویران مسجدیں آباد ہو گئیں۔ گوشے گوشے سے اللہ اکبر کی دلنواز صدائیں اور حیَّ علی الصلوٰۃ کی روح پرور دعوتیں فردوس گوش بننے لگیں آپ کے خلفاء نے اپنے اپنے مقام پر خانقاہیں قائم کیں۔ ساتھ ہی قرآن و سنت کی تدریس و تعلیم کے لیے مدارس معرض وجود میں آ گئے۔ ہر خانقاہ حال و قال کا ایسا حسین امتزاج پیش کرنے لگی کہ عقول اور قلوب دونوں سیراب ہونے لگے۔

آپ کے دست حق پرست پر جس نے بھی بیعت کی اس کا دل فسق و فجور کی آلائشوں سے متنفر ہو گیا۔ ذکر الٰہی کے بغیر اسے قرار ہی نہیں آتا تھا۔ شریعت کی پابندی اس خانوادہ کا امتیازی نشان ہے۔

پچاس سال یہ شمس منیر مطلع رشد و ہدایت پر نور افشانیاں کرتا رہا اور جس کا بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ اس تاجدار فقر و معرفت کے ساتھ قلبی ربط قائم ہوا۔ اس کی دنیا بدل گئی اس کا بخت خفتہ بیدار ہو گیا۔

## انتقال پُرملال :-

جب ۱۳۰۰ھ کا آغاز ہوا۔ محرم الحرام کی پندرہ تاریخ تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ولی عہد اور فرزند ارجمند حضرت خواجہ محمد الدین صاحب (جو حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے معروف ہیں) کو اپنے خاص حجرہ میں بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور ارشاد فرمایا۔ اے فرزند! دنیا کے حالات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں کبھی خوشحالی، کبھی تنگدستی، ہمارے دادا صاحب کئی گاؤں کے مالک تھے اور دولت و ثروت کی فراوانی تھی اسی طرح والد ماجد بھی خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب میرا زمانہ آیا میں نے تحصیل علوم کے لیے سفر اختیار کیا بعد ازاں خواجہ خواجگان محمد سلیمان تونسوی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ دن بدن معاشی حالت بگڑنے لگی یہاں تک کہ فاقہ کی نوبت آنے لگی اور کبھی کبھی تو سات سات دن فاقہ میں گذر جاتے۔ لیکن میں نے یہ راز کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور خواجہ تونسوی کی برکت سے کسی چیز کی کمی نہیں لیکن اس دنیائے فانی کی کسی چیز کے ساتھ مجھے قطعاً کوئی الفت نہیں۔ البتہ دو چیزیں دل سے مجھے پیاری ہیں۔ کیونکہ یہی دونوں چیزیں پیران عظام سے مجھے مرحمت ہوئی ہیں۔ اول محبت درویشاں۔ دوم اطاعت پیر و مرشد۔ تم توکل تسلیم اور صبر و قناعت کو اپنا معمول بنانا ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ درویشوں اور طالبوں سے محبت رکھنا۔ صاحبزادہ صاحب نے (حضور ثانی صاحب نے) التماس کیا کہ یا حضرت، دولت ظاہری کی حاجت نہیں ہے نعمت باطنی جو پیران عظام نے آنحضرت کو عطا فرمائی ہے۔ اس سے عنایت فرمایئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا "املاک ظاہری قبول کرو۔ املاک معنوی باطنی سے اللہ تعالیٰ تم کو مالا مال فرمائے گا۔" صاحبزادہ صاحب نے پھر گذارش کی کہ میری تمنا ہے کہ حضور چالیس برس تک اور سلامت رہیں تاکہ اس چشمہ شیریں سے پیاسے سیراب ہوتے رہیں۔ یہ سن کر حضرت خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا اے فرزند! ہم کو چالیس روز تک جینے کا بھی اعتبار نہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے پروردگار سے

پہ التجا کی ہے کہ میری عمر میرے پیر و مرشد خواجہ تونسوی کی عمر کے موافق ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ ماہ صفر ہی میں میرے مرشد نے انتقال فرمایا تھا شاید ہماری رحلت بھی اس ماہ صفر میں ہو دے۔

جدائی کی یہ خبر حضور ثانی کے خرمن صبر و ضبط پر بجلی بن کر گری اور آپ نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ صاحبزادہ صاحب کی آہ و زاری اور بے چینی کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا اے نور چشم! میں چاہتا تھا کہ اسرار یزدانی سے تم کو آگاہ کروں مگر تم تھوڑی سی بات سے بے خود ہو گئے ہو دنیا کی زندگی کا اعتبار نہیں۔ کل نفس ذائقۃ الموت کے مطابق ہر شخص نے موت کا شربت پینا ہے۔ پھر آپ نے دوسرے صاحبزادوں۔ جناب صاحبزادہ حافظ فضل الدین صاحب۔ جناب صاحبزادہ شجاع الدین صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر مندوبات اور مستحبات تم سے ادا نہ ہو سکیں تو فرائض کو مت ترک کرنا بلکہ تم پر لازم ہے کہ پیران عظام کی متابعت اور حق تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہو۔

ایک روز حضرت صاحبزادہ محمد دین صاحب کو فرمایا کہ آپ تونسہ شریف میں حضرت خواجہ کریم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ مگر یاد رکھنا۔ جلدی واپس آنا۔ دیر مت لگانا۔ چنانچہ حسب ارشاد قبلہ صاحبزادہ صاحب تونسہ شریف روانہ ہوئے۔ ۱۸ ماہ صفر کو نماز تہجد سے فارغ ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو بخار کا عارضہ لاحق ہوا۔ حکماء و اطباء نے بڑی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ صاحبزادہ صاحب ۲۱ ماہ صفر کو منگل کے دن تونسہ شریف کی حاضری سے واپس آئے۔ حاضر خدمت ہو کر مزاج پرسی کی آستانہ عالیہ کے حالات سے آگاہ کیا۔ اور جو ادویہ آپ واپسی کے وقت اپنے کسی حاذق طبیب سے لے آئے تھے ان کا استعمال شروع ہوا۔ آخری عمر میں سماعت کم ہو گئی تھی اس لیے لوگ اپنے حالات لکھ کر خدمت بابرکت میں پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ فضل الدین صاحب نے وظائف کی اجازت طلب کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے فضل الدین! ہمارے تمام وظائف کی تم کو اجازت ہے۔ ۲۲ ماہ صفر حضرت خواجہ نے مولینا مرد لوی کو فرمایا کہ تم بھی کچھ لکھو۔ مولانا نے صاحبزادوں کی طرف سے ایک درخواست پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آنجناب کے آستانہ عالیہ سے سعادت دارین اور مطالب کونین کے حصول کے لیے بے شمار لوگ آتے ہیں کسی صاحبزادہ صاحب پر نظر شفقت فرمایئے تاکہ خاندان چشت کا یہ فیض ہمیشہ جاری رہے۔ حضور نے درخواست کا مطالعہ فرمایا لیکن خاموشی اختیار کی۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے پھر یہ درخواست پیش کی۔ اعلیٰ حضرت نے ملاحظہ فرما کر دعا کے لیے دست مبارک اٹھائے اور زبان مبارک سے بھی کچھ فرمایا جو سمجھا نہ جا سکا۔ نقاہت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ صفر کی چوبیسویں رات تھی حضور حاضرین سے بار بار دریافت فرماتے کہ فجر طلوع ہوئی ہے یا نہیں۔ پھر پوچھا آج کون سا دن ہے اور کیا تاریخ ہے؟ کسی نے عرض کیا اے جان عالم! آج جمعہ کا دن ہے اور ۲۴ ماہ صفر۔ حضور نے دست مبارک میں تسبیح لے کر چند بار درود شریف پڑھا پھر ذکر پاس انفاس میں مشغول ہوئے جب فجر طلوع ہوئی دو رکعت نماز فجر اشارہ سے ادا فرمائے پھر پاس انفاس میں مشغول ہو گئے۔ حاضرین کی

طرف محبت بھری اور الوداعی نگاہوں سے دیکھا اور قبلہ رو ہو گئے اور علاماتِ وصال آپ پر ظاہر ہوئیں اس طرح شمس مطلع ہدایت و محبت، نصف صدی تک محبت اور عشق کی دولت لٹانے کے بعد اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔